© rasailojaraid.com

اردو ناول: برطانوی عہد میں برصغیر کی تاریخ و ثقافت کا امین

ڈاکٹر شاہد نواز*

Abstract

Literature is an alternate source of presenting and archiving history and culture all over the world. Undoubtedly, Social Sciences like Anthropology, Sociology and history, have studied and archived the cultures of the world, but literature usually presents and interprets it in "new creative" ways. This creative angle may be used to understand and analyze the culture and history of any area. Subcontinent since ancient times has had a great cultural history with its vast geography. The multi-layered culture and history of subcontinent have been documented in different languages and literatures. Urdu, a relatively modern language is an example of such treasure. It has presented and documented the culture in forms of poetry and novel in a mature way. Many Urdu novelists have presented the culture of undivided subcontinent in an objective manner. This study will analyze the "manner" and "way" the Urdu novel used to present the cultural history of subcontinent. This will hopefully helps to shed a new light on the subcontinent's collective culture.

برصغیر پاک و ہند، طویل جغرافیائی خطہ ہونے کے ساتھ ساتھ متنوع ثقافتوں کا امین رہا ہے۔ اس خطے کی تاریخ اور ثقافت کو مورخین اور سماجی ماہرین کے علاوہ یہاں کی زبانوں کے ادب میں بھی محفوظ کیا گیا ہے۔ اردو زبان گذشتہ پانچ سو سالوں سے اس خطے کی

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

© rasailojaraid.com

نمائندہ زبان رہی ہے۔ اسی بنا پر اردو ادب میں اس خطے کی مشترکہ تاریخ و ثقافت کا گراں قدر سرمایہ بالواسطہ طور پر محفوظ ہے۔

ناول ادب کی ایسی صنف ہے، جو ہمیشہ سے اپنے موضوعات پر خام مواد سماج اور تاریخ سے لیتی رہی ہے۔ اردو ناول میں ہندوستانی مشترکہ تاریخ و ثقافت کا وسیع سرمایہ موجود ہے۔ برصغیر پاک و ہند برطانوی عہد سے پہلے، ایک خاص طرح کے سیاسی و انتظامی نظام کے تحت چل رہا تھا، جس میں ملک کے بادشاہ کی حیثیت مرکزی علامتی سربراہ کی تھی۔ عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ اور معاملات کی عملداری ریاستوں اور راجواڑوں کے نوابین کی تھی۔اس دور میں عوامی سطح پر سماجی اور ثقافتی سرگرمیاں مذہبی بنیادوں کی بجائے انسانی سطح پر منعقد ہو رہی تھیں۔ علاوہ ازیں فرد اور سماج اپنی مخصوص مذہبی عبادات اور معاملات سے ہٹ کر عمومی طور پر گھل مل کر رہتے تھے۔ نوابین اور والیان ریاست بھی انتظامی اور سماجی معاملات کو خالصتاً انسانی بنیادوں پر چلاتے تھے۔ یوں کوئی مخصوص علاقہ، بستی یا سماج یک رنگی کی بجائے، رنگا رنگی کا علمبردار تھا۔ یہی رنگا رنگی ہندوستان کی ثقافت کی صدیوں سے پہچان تھی۔ اس امر سے انکار نہیں ہے کہ برطانوی عہد سے قبل مقامی طور پر باہمی سماجی اختلافات نہیں تھے۔ اختلافات ہونے کے باوجود مشترکہ تاریخ اور ثقافت کو نہ صرف تسلیم کیا جاتا تھا، بلکہ اُن پر نازاں ہونے کا رویہ بھی موجود تھا۔

برطانوی عہد میں سب سے زیادہ نقصان ہندوستان کے اِس سماجی نظام کو پہنچایا گیا۔ جس کا حتمی نتیجہ ہندوستان کی تقسیم کی صورت پر منتج ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جغرافیے کی تقسیم نے بظاہر مشترکہ ثقافت اور تاریخ کو تقسیم کر دیا۔ یہ سماجی ماہرین کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے کہ ماضی کی مشترکہ ورثہ کی تقسیم کے اس عمل کا سائنسی تجزیہ کر کے یہ ثابت کریں کہ ماضی کا مشترکہ سرمایہ کیسے تقسیم ہو سکتا ہے۔ جو کچھ رونما ہو چکا، اُس کی تقسیم مصنف کے خیال میں تو ناممکن ہے۔ یوں گماں ہوتا ہے کہ تقسیم ہندوستان کے بعد شعوری طور پر اپنے اپنے مفادات کے تحت، افراد، اداروں اور حکومتوں نے ایسی تاریخ مرتب کی، جس میں اس مشترکہ ورثے کے بھی حصے بخرے کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ فوری

© rasailojaraid.com

طور پر یہ کاوش خاصی موثر اور نتیجہ خیز ہوئی۔ آج اس مشترکہ ورثے کی حقیقت، وراثت اور تقسیم کے عمل کے بارے میں نئے نئے سوالات اٹھ رہے ہیں۔

انسانی تاریخ میں جغرافیوں کی تقسیم اور رد و بدل ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ مگر اس تقسیم اور رد و بدل نے ماضی کو تقسیم کم ہی کیا ہے۔ اس ذیل میں اس مقالے کا مرکزی نقطہ یہی ہے، کہ برطانوی عہد سے قبل اور دوران برطانوی عہد ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مطالعہ اردو ناول کے حوالے سے ہے۔

ادیب معاشرے کا انتہائی باشعور، حساس اور وسیع ذہنیت کا حامل فرد ہوتا ہے۔ ادیب بہت حد تک کسی بھی سماج کا چہرہ تشکیل دینے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ادب سماجی عمل کی پیداوار ہونے کی بناء پر سماج کی پیش کش میں خارجی حرکات و سکنات کے ساتھ ساتھ داخلی نمو پذیری کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ اردو ناول میں سماج کی اسی طرح کی پیش کش نمایاں ہے۔ اردو ناول کا آغاز انیسویں صدی کی آخری چار دہائیوں سے ہو چکا تھا۔ آغاز (ابن الوقت) سے لے کر موجودہ عہد (خس و خاشاک زمانے) تک بیشتر ناولوں میں برصغیر پاک و ہند کی مشترکہ تاریخ و ثقافت کو متوازی بیانیے کی شکل میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ متوازی بیانیہ انڈیا اور پاکستان میں لکھی جانے والی عمومی تاریخ کی بہت حد تک نفی کرتا نظر آتا ہے۔ عمومی تاریخ جس طرح کے نتائج سامنے لاتی ہے۔ اُن پر یقین کر لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے، کہ برصغیر پاک و ہند طویل عرصے تک کیسے پر امن اور خوشحال زندگی بسر کرتا رہا۔ دراصل یہ ہمارے تاریخ دان کا مسئلہ ہے کہ وہ حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتا ہے، زاہد چودھری اپنی کئی جلدوں پر محیط ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' کی جلد اول کے دیباچے میں یہی نقطہ اٹھاتے ہیں:

> ''مطالعہ تاریخ دراصل ایک سائنس ہے۔ اس میں ذاتی پسند یا ناپسند کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تاریخ کوئی عقیدہ نہیں ہے، اس کا مطالعہ عقاید کی بنیاد پر نہیں بلکہ معروضیت کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ عقاید خواہ دائیں بازوں کے ہوں یا بائیں بازو کے... عقیدہ پرستی کے شکنجے میں پھنس کر نہ تو ماضی کی اصل حقیقت سے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے، نہ حال کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ مستقبل کے بارے میں کوئی درست پیشن گوئی کی جا سکتی ہے۔''[۱]

© rasailojaraid.com

ثقافت دراصل کسی بھی سماج کا چہرہ ہوتا ہے ۔ثقافت دراصل کسی سماج کی حرکیات کا مہذب ترین اور فن کارانہ اظہار ہوتا ہے۔ہندوستان کی ثقافت ہمیشہ سے بین المذاہب اور بین النسل تنوع کا مرکز رہی ہے۔مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے اپنے مذاہب سے عمومی طرز زندگی کے عمومی اصولوں کو مقامی جغرافیہ سے اس طرح ملایا کہ ثقافت گہری ہونے کے ساتھ ساتھ رنگا رنگ ہوتی رہی۔ہندوستان کی ثقافت کو سب سے بڑا دھچکا برطانوی عہد میں لگا۔جب مقامی ثقافت کو شعوری طور پر تقسیم کرنے کی سعی کی گئی ۔اس پس منظر میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ انگریز مقامی ثقافت پر اپنی ثقافت کا رنگ چڑھانا چاہتے تھے۔جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہے۔اردو ناول میں اس ثقافت کے اثرات اور ردعمل شروع سے ہی نظر آنا شروع ہوچکا تھا۔ڈپٹی نذیر احمد کا ناول''ابن الوقت''اس کی عمدہ ترین مثال ہے۔ابن الوقت وقتی طور پر انگریزی طرز زندگی سے متاثر ہو کر اُسے اپناتا ہے،مگر حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور حجتہ (جوکہ مقامی ثقافت کا علمبرار ہے)کے دلائل سے قائل ہو کر اپنی بقاء واپسی کے سفر میں ہی تلاش کرتا ہے۔علامتی طور پر یہ پیغام ہندوستان کے عوام کے لیے جنگ آزادی کے فوراً بعد ایک ناول نگار ہی دیتا نظر آتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی آمد سے قبل ثقافتی ہم آہنگی کو اردو ناول نگاروں نے کثرت سے موضوع بنایا ہے۔ ثقافتی ہم آہنگی کا عالم یہ ہے کہ بعض اوقات مذہب اور مذہبی عناصر اس ثقافتی ہم آہنگی کے سامنے ہتھیار ڈالتے نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے اردو ناول نگاروں میں سب سے معتبر حوالہ قرۃ العین حیدر کا ہے۔''آگ کا دریا'' جیسا ناول لکھ کر دراصل انہوں نے ہندوستان کے طویل ماضی کو دریافت نو کے عمل سے گزارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ناول ہزاروں سالوں کے ہندوستان کی ثقافتی تاریخ ہے۔مغل دور میں، کہ جب مرکزی بادشاہ کے ساتھ ساتھ مختلف ریاستوں میں نوابین کی عملداری تھی، مذہبی بنیادوں پر اُٹھنے والے فتنوں کو ریاستی نوابین اور مرکزی بادشاہ ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے ایسا ہی ایک حوالہ ملاحظہ ہو:

''واجد علی شاہ کے عہد میں ہندوؤں نے پھر اس جگہ پر ٹھاکر دور بنانے کی کوشش

© rasailojaraid.com

کی۔ بڑا فساد رہا، فوج کشی ہوئی۔ فرنگی محل کے علماء نے جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ مجاہدوں کے لشکر پہنچے۔ بڑا خون خرابا ہوا۔ مولویوں نے لشکر کشی سے پہلے سلطان عالم کو عرضی بھیجی جو نظم کی صورت میں تھی، میں نے وہ نظم نقل کر لی تھی۔ آپ کو سناتی ہوں۔'' اس نے بیگ کھول کر ایک کاغذ نکالا اور گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے پروفیسر کو سنانا شروع کیا:

مجاہدین کی عرضداشت بادشاہ اودھ کی خدمت میں
قریب دیر مہابیر واجب التعزیر
بنا تھی مسجد اسلام ہم چو بدر منیر
لگے بنانے بڑھا کر یہ کافر مقہور
سواد مسجد اقدس میں خانہ لنگور
امید ہے کہ شہنشاہ، قبلہ عالم
ابو المظفر ومنصور و خسرو اعظم
شہپر رفعت و قدسی صفات، والا جاہ
خدایا کشور ہندوستان، فلک درگاہ
زباں فیض مبارک سے یوں کریں ارشاد
کہ کافران اودھ پرشتاب ہوئے جہاد
روانہ ہو کے شتابی کو لشکر اسلام
برائے غارت و تاراج شہر لچھمن و رام

''یہ مذہب کا تعصب ہے اپنی خالص ہیئت میں گو یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ سلطان عالم واجد علی شاہ نے بجائے اس کے کہ وہ عرضداشت پر کان دھرتے انہوں نے الٹا مجاہدین کی سرکوبی کے لیے شاہی فوج فیض آباد بھیجی اور مجاہدین لڑتے ہوئے سرکاری سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ایودھیا میں امن قائم ہوا۔''۲

قرۃ العین حیدر کا خیال ہے کہ انگریزوں کی آمد سے قبل ہندو مسلم فساد خالصتاً مذہبی، بنیادوں پر ہوتے تھے، مگر حکمران اس فساد کو ہوا دینے کی بجائے ہمیشہ، اُس کی سرکوبی کرتے

© rasailojaraid.com

تھے۔ مگر انگریزوں کی آمد نے اس فساد کو نہ صرف ہوا دی، بلکہ فساد کے نئے نئے زاویے عطا کیے۔ اسی حوالے سے ''آگ کا دریا'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''تم نے کبھی غور کیا'' پروفیسر اوپر درخت کی شاخ پر بیٹھی ہوئی ایک گوریا کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا''تم ہسٹری کے طالب علم ہو___ کہ انگریزوں سے پہلے اس ملک میں ہندو مسلم فساد نہیں ہوتے تھے۔ جنگیں ہوتی تھیں مگر وہ سیاسی تھیں۔ ہندو حکمرانوں کی فوج میں مسلمان جنرل اور سپاہی ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے ہندو لڑتے تھے۔ سیاسی گروہ بندیاں تھیں، پھر انگریزوں نے دنیا پر یہ نیا نظریہ آشکار کیا کہ اس ملک میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں، ہزاروں قومیں بستی ہیں، ہندو مسلمان ایک دوسرے سے متنفر ہیں، یہ ملک ایک ملک نہیں ہے محض جغرافیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ ان کی لکھی ہوئی تاریخ کی کتابوں کے ذریعے نفرت کا بیج بویا گیا۔''۳

قرۃ العین حیدر اُن ناول نگاروں میں سے ہیں، جو ہندوستان میں صدیوں سے پروان شدہ ثقافتی ہم آہنگی اور سرگرمیوں کو بھر پور رنگ میں اپنے ناولوں میں پیش کرتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ایک جگہ وہ لکھنو کے پس منظر میں مشہور جگہوں اور عمارتوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

''موتی محل برج سے آگے بڑھ کر میرس کالج تھا اور قیصر باغ کی بارہ دری اور قیصر باغ، اس کے آگے امین آباد پارک تھا اور امیر الدولہ پارک، اور شہر___ اور جھاؤ لال کا پل اور پھر سڑکیں نخاس اور چوک کی طرف جاتی تھیں جہاں میڈیکل کالج تھا اور ہسپتال، شاہ مینا کی درگاہ اور امام باڑہ آصف الدولہ، مچھی بھون اور امام باڑہ حسین آباد، وہیں اکبری دروازہ تھا اور گول دروازہ۔ یہ سارا علاقہ پرانا لکھنؤ تھا۔''۴

ہندوستان کی تاریخ اور ثقافت مشترکہ طور پر تمام ہندوستانیوں کے لیے باعث فخر تھی۔ یہ فخر نہ تو کسی خاص مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ اور نہ ہی کسی خاص جغرافیے کے ساتھ، یہی وجہ ہے کہ قرۃ العین حیدر کے ناول ''آگ کا دریا'' کا مرکزی کردار کمال جب اپنے ماضی کے بارے میں سوچتا ہے، تو کچھ اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتا ہے:

''یہ ہندوستان کیا تھا، اس کا شعوری طور پر اس نے کبھی تجزیہ نہیں کیا۔ بچپن سے وہ اس ہندوستان کا عادی تھا جہاں وہ پیدا ہوا تھا، جہاں اس کے پرکھ پچھلے سات آٹھ سو سال سے پیدا ہوتے آئے تھے۔ اس ہندوستان میں سرسوں کے کھیت تھے اور ہٹ اور ستیلا

© rasailojaraid.com

دیوی کے مندر ہندوستان بستی ضلع کا وہ مٹھ تھا جہاں وہ اپنے بابا کے ہمراہ گیا تھا۔ جہاں برآمدے میں تخت پر ایک موٹا بی۔اے پاس مہنت بیٹھا تھا اور جس کو ممی نے دس کا نوٹ چڑھایا تھا اور جس نے آشیر باد دی تھی۔ ہندوستان اٹاوے کی وہ کائی آلودہ درگاہ تھی جس کی منڈیروں پر بہت سے قلندر ر اکڑوں بیٹھے رہتے تھے جن میں سے ایک نے کمال کو بٹول کے سنترے کھلائے تھے۔ ہندوستان قدیر ڈرائیور کی بوڑھی ماں تھی جو پیلے رنگ کی دھوتی پہنے مرزا پور کے اسٹیشن پر کمال کے لیے مٹی کے کھلونے لے کر آئی تھی۔ ہندوستان سول لائنز کی وہ سڑکیں تھیں جن پر صاحب لوگوں کے ڈوگ بوائیز شام کو کتوں کو ہوا کھلانے کے لیے نکلتے تھے۔ ہندوستان بوڑھا حاجی بشارت حسین خانساماں تھا جو، جب کمال کو سیتلا نکلی تھی تو، اپنی دو پلی ٹوپی اتار کر ایک ٹانگ پر ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا اور گڑ گڑا کر بولا تھا۔''ماتا__ اب معاف کرو__بھیا کو چھوڑ کر چلی جاؤ__ ماتا تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔'' یہ__ سیتلا کے سامنے ہاتھ جوڑنے والا مسلمان بوڑھا__ ہندوستان تھا۔ اس کے علاوہ اس کی اماں اور خالائیں اور گھر کی دوسری بیبیاں بھی ہندوستان تھیں۔ ان کی آپس کی بول چال، محاورے، گیت، رسمیں اور پھر پرانی کہانیاں، جو مغلانیاں سناتی تھیں: اجودھیا کے راجہ دسترتھ کی دو بیبیاں تھیں۔ایک نام کیکئی، دوسری کا کوشلیا__ ہندو پرانوں اور دیومالا کے قصے، مسلمان اولیا کے قصے، مغل بادشاہوں کے قصے۔ یہ سب کمال کی ذہنی بیک گراؤنڈ تھی۔''۵

کمال کی سی سوچ قرۃ العین حیدر کے ایک اور ناول ''آخر شب کے ہم سفر'' کے مرکزی کردار ریحان کی بھی ہے۔ جو کہ ہندوستان کے ایک اور جغرافیے بنگال کا کردار ہے۔ مگر وہاں بھی مذہبی عناصر کے بجائے ثقافت چھائی ہوئی ہے۔ لوگوں کا میل جول اور سماجی زندگی کا اشتراک قابلِ غور ہے:

''اب سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے سارے باؤ مغنی عشق مجازی اورعشق حقیقی اور انسانیت کے عشق کے متعلق کیا گاتے پھرتے تھے؟ شیخ مدن باؤل، شتولن شاہ، حسن رضا، لالن شاہ__ یہ سنگیت کا درویش جن کی شاعری اور موسیقی نے اتنی شدت سے گرو دیو کی شاعری اور موسیقی کو متاثر کیا__ کیا یہ مشترکہ ورثہ نہیں؟''__ اور دیپالی نے خود اپنے گاؤں میمن سنگھ میں دیکھا تھا کہ برہمادتیہ فقیر جو مسلمان تھے۔ منتر پڑھ کر اور گھنٹیاں بجا بجا کر مسلمان کسانوں کی مرادیں پوری کرنے کا تپ کرتے تھے اور مسلمان کسانوں کے ہاں شادی کے موقع پر منگل چنڈی وجے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ خود ریحان کا کا عرف

© rasailojaraid.com

رونو میاں تھا۔ رونو ہندوؤں کا نام بھے تھا۔ کیا یہ سب تہذیبی مماثلت یا اتحاد کے بے حد سطحی مظاہر ہیں یا ان کے پیچھے کوئی ایسی گمبھیر، تاریخی، نسلی اور نفسیاتی معنویت بھی پنہاں ہے، جو سیاسی تبدیلیوں سے بلند تر اور ماورا رہے گی؟ دیپالی بہت زیادہ الجھ کر دیر چے سے مڑی۔''۶

ماضی کے اس سرمائے میں مشترکہ ہیروز بھی تھے اور ولن بھی۔ ہیرو اور ولن کی بنیاد ہندوستان تھا نہ کہ ہندوستان سے وابستہ کوئی خاص مذہب یا جغرافیہ۔ اسی کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''یہ ''شاہی تخت'' اس زمانے کی یاد گار تھا۔ جب نواب نور الزماں مرحوم کے ہاں ارجمند منزل کے باغ میں جاترا والوں کی منڈلیاں آ کر ڈیرے ڈالتی تھیں۔ لوک ناٹک کھیلے جاتے تھے۔ بنگالی تھیٹر کمپنیاں تاریخی، سوشل اور سیاسی ڈرامے اسٹیج کرتی تھیں اور شہر کے ہندو اور مسلم امراء جمع ہو کر ''شاہجہان''، ''ٹیپو سلطان''، ''سراج الدولہ''، ''میر قاسم''، ''کرانی جیون'' اور ''خودی رام باسوؔ' سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ (خودی رام باسو، جو ایک دہشت پسند نوجوان تھا اور جسے مظفر پور کے انگریز جج کنگزفرڈ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے جرم میں ۱۹۰۸ء میں پھانسی ہوئی تھی۔ ہزارون ہندو گھرانوں میں اس کی راکھ تبرک کی طرح تقسیم کی گئی اور لوگ اس کے تعویز بنا بنا کر پہننے لگے۔ اس کے متعلق مقبول ڈرامہ بھی ارجمند منزل میں کھیلا جا چکا تھا) یہاں گریش چند اور ٹیگور کا چرچا رہتا تھا اور بنگلہ سنگیت ناٹکوں کی موسیقی گونجی تھی۔''۷

مستنصر حسین تارڑ اردو کے ان ناول نگاروں میں سے ہیں۔ جنہیں مقامی تاریخ و ثقافت ہمیشہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ''بہاؤ'' میں وہ قدیم ہندوستان کے خاص خطے اور ثقافت کو موضوع بناتے ہیں تو ''راکھ'' اور ''خس و خاشاک زمانے'' میں ہندوستان ماضی قریب کو بیان کرتے ہیں۔ ''راکھ'' اور ''خس و خاشاک زمانے'' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وہ ہندوستان کے وسیع و عریض خط پنجاب ثقافت اور سماجی زندگی کو موضوع بناتے ہیں، جو ثقافتی رنگ ڈھنگ قرۃ العین حیدر کے ہاں بنگال کے پس منظر میں تھا وہی رنگ ڈھنگ تارڑ کے ہاں پنجاب کے پس منظر میں ملاحظہ ہو:

پنجاب کے دیگر دیہات کی مانند کوٹ ستارہ کی کچی گلیوں، جوہڑوں او رکھیتوں کے اوپر جو آسمان تھا وہاں تک کوئی ایک پکار نہ جاتی تھی۔ قرآن، گرنتھ اور رامائن کے ملے جلے

© rasailojaraid.com

مشترکہ سندیسے جاتے تھے... پر ان کا آپس میں اس لیے بیر نہ تھا کہ ان سندیسوں پر دھیان کم ہی دیا جاتا تھا... معاشرہ مذہبوں میں نہیں ذات برادری اور چوہدری اور کمی کمینوں میں بٹا ہوا تھا... ان کے سامنے مذہب کی حیثیت ثانوی تھی۔''۸

نو آبادیاتی عہد میں جب نئی نئی تعمیرات ہونے لگیں جن کے ظاہری اور مخفی مقاصد الگ الگ تھے، تو ایسی عمارتوں میں سے ایک عمارت لاہور ریلوے سٹیشن کی بھی تھی۔ تارڑ نے ان عمارتوں کے پس منظر میں بھی ہندوستان کی ادبی یکجہتی بھانپ لی ہے۔ اگرچہ یہ یک جہتی کمزوری پر محمول ہے مگر بہت اہم منظر ہے:

''اُن جادوئی عمارتوں کے سائے سائے چلتا... فاصلے طے کرتا... ریل گاڑی کی پٹڑی کے کنارے کنارے چلتا وہ ایک اور عجوبے کے سامنے تھا اور یہ لاہور کا ریلوے سٹیشن تھا۔ سنگلاخ چٹانوں کا ایک ڈھیر تھا جس میں سے بُرج اٹھ رہے تھے... فصیلیں اُبھر رہی تھیں... ایک حفاظتی قلعہ تھا جس کے بُرجوں میں سے توپیں بھی داغی جا سکتی تھیں۔ یہ انگریز سرکار کا کمال تھا کہ اُس نے بظاہر ایک ریلوے سٹیشن تعمیر کیا جو وقت پڑنے پر ایک دفاعی حصار بھی ہو سکتا تھا... ان ناتواں اکثر ننگ دھڑنگ ... دھوتیوں... شلواروں اور چُست پاجاموں والے سازشی ہندوستانیوں کا کیا پتہ کہ کب بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔''۹

برطانوی عہد میں جب ہندوستانی سماجی زندگی نے کروٹ لی، تو بہت سی اقدار اور رہن سہن کے طریقے بدلے۔ اس بدلاؤ کو جزوی طور پر قبول کیا گیا۔ مگر کہیں کہیں شدید ردعمل بھی دیکھنے میں آیا۔ مورخ نے عمومی طور پر اقدار کی تبدیلی اور سماجی زندگی کے اس بدلاؤ کو اعداد و شمار کی روشنی میں تو دیکھا مگر جس انداز سے ایک فنکار نے اس بدلاؤ کو دیکھا، وہ مورخ کے ہاں نا رہی، خس و خاشاک زمانے میں اسی طرح کی ایک تبدیلی کے خلاف ردعمل ملاحظہ ہو:

''اسی نت کلاں کا ایک کم حیثیت سردار کھڑک سنگھ پہلی جنگ عظیم کے دوران فرانس کے محاذ پر نہایت بے جگری سے لڑا... بہادری کا یہ تمغہ وغیرہ بھی وردی پر سجا کر لوٹا اور اُس کے پلے میں رقم بھی بہت تھی... اُس نے گاؤں میں ایک نیا گھر تو تعمیر کیا اور اُس کے اندر ایک ٹائلٹ بھی بنوا لیا... گاؤں میں غدر مچ گیا... برداری نے اُس کے گھر کا گھیراؤ کر لیا اور کرپانیں لہرانے لگیں کہ اوئے کھڑک سنگھا گوروں کے ساتھ رہ کر گورا ہو گیا ہے بے غیرتا... کاغت کے ساتھ پیٹ بھی پونچھتا ہو گا بے مُرادا... اب گاؤں کے درمیان

© rasailojaraid.com

میں ایک ترّٹی بنا لی ہے گندگی کی، جس میں جا بیٹھتا ہے اور سارے نت کلاں میں بُو پھیلاتا ہے... یہاں رہنا ہے تو یہ ترّٹی ڈھا دے ورنہ... کھڑک سنگھ نے ہراساں ہو کر وہ ٹائلٹ مسمار کر دیا اور ایک اچھے خالصے کی طرح کھیتوں میں جا کہ ''بیٹھنے'' لگا... ''۱۰

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے بعد جس طرح کی اتھل پتھل ہوئی، وہ بھی اردو ناول نگاروں نے عمدہ طریقے سے بیان کی ہے۔ عبداللہ حسین کا ''اداس نسلیں'' دراصل اسی سماجی اتھل پتھل کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ ایک منظر ملاحظہ ہو، جس میں ہندوستان کے تمام قومیتوں کے لوگ موجود ہیں۔ مگر اس موجودگی کا اہم ترین عنصر اُن کی ثقافتی شناخت ہے:

''اب ہندوستانی مہمان آ رہے تھے۔ وہ مختلف قسم کے لباس میں تھے۔ مسلمان پھندے والی سرخ ٹوپیوں اور لمبے لمبے چوغوں میں تھے۔ کچھ لوگ شیروانیوں میں بھی تھے جن سے ان کے قوم و مذہب کا پتہ چلانا دشوار تھا کہ ہندوستان میں اب ہندو مسلم عیسائی سب نے شیروانیاں پہننی شروع کر دی تھیں۔'' ۱۱

جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہوا تو یہ پورے ہندوستان کے لیے المیہ بنا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں اس واقعے کے خلاف ردِعمل آیا۔ یہ ردِعمل اگرچہ زیادہ تر سوگواریت کا پہلو لیے ہوا تھا مگر اس واقعے میں بھی مذہب سے ماورا ہندوستانیت نشانے پر تھی۔ اسی واقعہ کو عبداللہ حسین نے ایک ناظر کردار کی صورت یوں بیان کیا ہے۔

''یہ سارا قصہ چند لمحے کا ہے۔ چند گز کے فاصلے پر کنواں تھا۔ وہ خشک کنواں تم دیکھ رہے ہو؟ ہاں وہی۔ میرے ساتھ بھاگتے ہوئے زیادہ تر لوگ اس میں جا گرے۔ ان کے اوپر دوسری طرف سے آنے والے گرے۔ اس میں ہر طرف سے آنے والے زندہ اور مردہ لوگ گرنا شروع ہوئے۔ اور انسانوں کی چیخوں نے گولیوں کی آواز کو دبا دیا۔ میرے دیکھتے دیکھتے کنواں مردہ اور نیم مردہ لوگوں سے بھر گیا اور لوگ آسانی کے ساتھ اس پر سے دوڑتے ہوئے گزرنے لگے۔''۱۲

عجیب المیہ ہے کہ جب تقسیم ہند کی صورت فسادات پھوٹ پڑے تو ان فسادات نے مذہب کی بنیاد پر سب سے پہلے ثقافتی ہم آہنگی پر وار کیا۔ ان فسادات نے مذہبی بنیادوں پر انسانوں کو نشانہ بنایا، جمیلہ ہاشمی اسی المیے کو یوں بیان کرتی ہیں ہیں:

''راجندر پرشاد سکسینہ تمہارا وہ عزم اور ارادہ کیا ہوا۔ بھائی تم اکیلے تھے نہ، ہندو نہ تھے

© rasailojaraid.com

مسلمان نہ تھے، صرف انسان تھے۔ اور اس جنگ میں تمام انسان پرست جھوٹے ثابت ہو کر پسپا ہو گئے۔ تم کہتے تھے تم پر ماتما کی بنائی ہوئی چیزوں کی حفاظت کرو گے۔ تم بھگوان سے بھی اونچے ہو۔ اور آج تم کہاں ہو۔ سنا ہے تم فسادیوں اور انقلاب پرستوں کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔''۱۳

بنگال کا قحط ہندوستانی تاریخ کا ایک اور المناک باب ہے۔ اس قحط نے ایک طرف ہندوستان میں معاشی نظام کی قلعی کھولی، دوسری طرف اس المیے کے در پردہ انسانوں کی سفاکی کو بھی ہمارے سامنے لا کھڑا کیا، مورخین نے یقیناً اعداد و شمار کی بنیاد پر اس قحط کا تجزیہ کیا ہے۔ مگر فصل کریم فضلی نے ''خونِ جگر ہونے تک'' میں اس المیے کے سماجی پہلوؤں کو خوب اجاگر کیا ہے۔ ناول نگار نے نہ صرف قحط سے پیدا شدہ صورت حال کو پیش کیا ہے بلکہ خیر و شر کے نمائندہ کرداروں کی صورت انسانی سماج کے اچھے اور برے چہرے کو بھی پیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ قحط میں ایک طرف عوام کی بھوک اور موت کو موضوع بنایا گیا ہے تو دوسری طرف جلودھر چڑ جی اور مجید صاحب جیسے دو متضاد کرداروں کو بھی عیاں کیا ہے۔

مشترکہ ثقافتی ورثہ کا بیان اردو ناول نگاروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ حیرت انگیز بات اور مورخین کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ جوں جوں تقسیم ہندی سے فاصلہ بڑھتا گیا، مورخین اس تقسیم کو منطقی بنانے کے لیے مختلف تاویلیں دینے لگے، اگرچہ بعض مورخین کو استثنا حاصل ہے۔ جبکہ تخلیق کار ماضی کے اس واقعے کو تاریخی شعور کی روشنی میں دیکھنے لگے۔ اردو کے بیشتر ناول نگاروں نے اس تاریخی شعور کے تحت ماضی کے تحت مشترکہ ورثے (جس میں دکھ سکھ سبھی شامل ہے) کو موضوع بنایا ہے۔ ناول نگاروں کی اس طویل فہرست میں چند ایک نام قابل غور ہیں۔ عبداللہ حسین، شوکت صدیقی، مستنصر حسین تارڑ، انتظار حسین، خدیجہ مستور، فضل کریم فضلی، عزیز احمد، جمیلہ ہاشمی، پریم چند، کرشن چندر، نذیر احمد قابل ذکر ہیں۔ ان تمام ناول نگاروں نے اپنے اپنے رنگ ڈھنگ میں ہندوستان کی ثقافت کے ساتھ ساتھ مشترکہ تاریخ اور اہم تاریخی واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ جنگ آزادی ہو یا پھر سماجی اصلاح پسندی کی تحریک انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں

© rasailojaraid.com

آزادی کی لہر، جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہو یا پھر انگریزوں کی جانب سے اپنے وفاداروں کو نوازنے کا سلسلہ۔ انگریزوں کی تجارتی سرگرمیاں ہوں یا مشنری، مقامی سیاسی و سماجی رہنماؤں کے خطبات ہو ں یا پھر تقسیم سے قبل کی سیاسی صورتحال، سب کو ناول نگاروں نے اپنا موضوع بنایا ہے، یوں اردو ناول نے تاریخ کے متوازی بیانیہ فراہم کیا ہے۔

حوالہ جات

(یہ مضمون NIHCR(IAHA)۔قائداعظم یونیورسٹی کی کانفرنس میں 7دسمبر بروز بدھ کو پڑھا گیا۔یہ کانفرنس 4سے7دسمبر 2016 تک منعقد ہوئی۔)

۱۔ چودھری زاہد، *پاکستان کی سیاسی تاریخ، پاکستان کیسے بنا*، لاہور: ادارۂ مطالعہ تاریخ، ۲۰۱۲ء، ص۱۴۔

۲۔ حیدر،قرۃ العین، *آگ کا دریا*، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء،ص۳۰۶۔

۳۔ ایضاً،ص۳۰۴۔

۴۔ ایضاً،ص۲۰۸۔

۵۔ ایضاً،ص۲۷۵۔

۶۔ حیدر،قرۃ العین، *آخر شب کے ہم سفر*،لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء،ص۱۲۶۔

۷۔ ایضاً،ص۱۲۷۔

۸۔ تارڑ،مستنصر حسین، *خس و خاشاک زمانے*، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص۲۲۲۔

۹۔ ایضاً،ص۱۲۶۔

۱۰۔ ایضاً،ص۶۶۔

۱۱۔ حسین،عبداللہ، *اداس نسلیں*، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱ء،ص۱۳۔

۱۲۔ ایضاً،ص۲۴۹۔

۱۳۔ ہاشمی،جمیلہ، *تلاش بہاراں*، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص۵۳۹۔